بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

خرم مراد

کراچی کا خونیں شہر ایک عام آدمی کے لیے آج سب سے زیادہ تشویش ناک مسئلہ بنا ہوا ہے: امن و امان کی تباہی کا مسئلہ، روز گرنے والی لاشوں کا مسئلہ، پاکستان کے دروازے اور سب سے خوش حال شہر کی بربادی کا مسئلہ، ملک کی سلامتی کو خطرے کا مسئلہ۔ زبان پر ایک ہی سوال ہے: کراچی کے مسئلے کا کیا حل ہے، کیا یہ حل ہوگا، ملک کا کیا بنے گا، کراچی کو بچانے کے لیے کچھ تو کیجیے!

عام آدمی کی تشویش بے جا نہیں ہے۔ پہلے تعطل کے طویل وقفے ہو جاتے تھے، اب تو تقریباً روز ہی ایک درجن کے قریب لوگ موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں۔ ان میں بے گناہ بھی ہیں، اور عورتیں بچے بھی۔ مخالفین کو اغوا کر کے اور بدترین اذیتیں دے کر مارا جا رہا ہے۔ ایک ڈاکٹر کا کہنا ہے: "ہمارے پاس ایک لاش لائی گئی جس میں پچاس گولیاں پیوست تھیں اور اس کے جسم کا ہر حصہ کٹا پٹا تھا، ایک کی رانوں میں ڈرل سے سوراخ کیے ہوئے تھے، ایک کی آنکھیں ناخنوں سے نوچ کر نکالی ہوئی تھیں، ایک کے چہرے میں اتنی گولیاں اتاری ہوئی تھیں کہ وہ بالکل مسخ ہو چکا تھا"۔ پچھلے ڈیڑھ سال میں ۱۶سو لاشیں ہسپتالوں میں لائی گئی ہیں، جو نہیں لائی گئیں وہ الگ ہیں۔ اسی طرح لوگوں کے گھر اور مال بھی ڈاکوؤں کے لیے کھلی چراگاہ بنے ہوئے ہیں، جہاں چاہیں گھس جائیں اور لوٹ لیں۔ پیشہ ور اور سیاسی ڈاکوؤں کے ساتھ، بدقسمتی سے امن کے محافظ بھی اسی کام میں مشغول ہیں۔ مہاجرین کے دونوں گروہوں نے کراچی کے ایک بڑے حصے کی عمل داری کو آپس میں تقسیم کر لیا ہے۔ جس شخص، کارخانے، یا پورے بازار پر، جتنا خراج چاہیں عائد کر دیں، جس کو جان بچانا ہو اسے دینا ہی پڑتا ہے۔

سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ اب پولیس، رینجرز اور فوج کے خلاف کھلم کھلا حملے ہو رہے ہیں: ان کے افسر اور سپاہی ہلاک کیے جا رہے ہیں، تھانوں پر گولیاں برسائی جا رہی ہیں، ان کی گاڑیاں

جلائی جارہی ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اب وہ متاثرہ آبادیوں کے اندر داخل بھی نہیں ہو سکتے ، صرف بڑی بڑی شاہراہوں پر گشت کرتے ہیں۔ یہ حملے حکومت کے خلاف مسلح جدوجہد کے آغاز کا سگنل بھی ہیں ، اور فوج اور رینجرز کی بعض کارروائیوں کے خلاف نفرت کا اظہار بھی۔ ۱۹۹۲ میں جب فوجی آپریشن شروع ہوا تھا اسی وقت ہم نے واضح کر دیا تھا کہ اسے کامیابی عوامی حمایت کے بغیر حاصل نہیں ہو گی ، حمایت اسی صورت میں ملے گی جبکہ دل سوزی اور شفقت ، مکمل غیر جانب داری اور انصاف کے ساتھ آپریشن کیا جائے گا ، اور شہریوں کی عزت و احترام کو ملحوظ رکھا جائے گا ، صرف مجرموں کو پکڑا جائے گا ، اور کارروائی جلد از جلد ختم کر دی جائے گی۔ بدقسمتی سے ان میں سے ہر اصول کی خلاف ورزی کی گئی۔ چنانچہ دلوں میں نفرت پیدا ہوگئی ، ایم کیو ایم اگر ظالم تھی تو وہ بالکل مظلوم بن گئی۔ کسی بھی فوج کے لیے ، اور ہماری فوج کے لیے تو اپنے احساس برتری اور دور غلامی کے رویوں کے ساتھ خاص طور پر ، ایک شہر میں امن و امان قائم کرنا بہت مشکل ہے ، لیکن جب مقامی آبادی بھی مخالف ہو ، تو ملبوں اور لاشوں کا ڈھیر تو لگایا جاسکتا ہے ، آبادی کو قابو میں نہیں لایا جاسکتا۔ قابو پا بھی لیا جائے ، تو مسئلہ حل نہیں ہو گا۔

ہم مایوس نہیں ہیں ، اور مایوسی کو کفر سمجھتے ہیں۔ لیکن طفل تسلیوں سے دل بہلانا بھی کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ حقیقت سے چشم پوشی کے بجائے اس کے صحیح ادراک سے ہی بہتری کا راستہ کھل سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ حالات جس رخ پر جا رہے ہیں انھیں دیکھتے ہوئے ہمیں کراچی کا مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا۔ وجہ یہ نہیں ہے کہ حالات قابو سے باہر ہو چکے ہیں۔ یہ بھی نہیں کہ کوئی حل موجود نہیں۔ نہیں ، حل موجود ہے ، اور حالات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ لیکن ایسا ہونا اس لیے ممکن نظر نہیں آتا کہ جن لوگوں کے پاس اسے حل کرنے کی ذمہ داری اور اصل اختیار ہے ـــــ یعنی پیپلز پارٹی ، ایم کیو ایم اور فوج ـــــ ان میں سے ہر ایک فریق اسے صرف اپنی شرائط پر اور اپنی مرضی کے مطابق حل کرنا چاہتا ہے۔ اس روش کا نتیجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ تصادم شدید سے شدید تر ہوتا چلا جائے ، اور یہی کچھ ہو رہا ہے۔ جب تک دو اصل فریق کچھ نہیں کرتے اس وقت تک کوئی دوسری سیاسی قوت بھی موثر کردار ادا نہیں کر سکتی۔ ہاں ، اہل وطن کھڑے ہو جائیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ فریقین کو مجبور بھی کر سکتے ہیں کہ وہ مطلوبہ اقدامات کریں ، نہ کریں تو انھیں اٹھا کر الگ کر سکتے ہیں ، لیکن وہ فی الحال تشویش کے اظہار کے علاوہ اور کچھ کرنے کے لیے آمادہ نظر نہیں آتے۔ اس وجہ سے بھی ہم یہ کہتے ہیں کہ مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت ثابتہ یہ ہے کہ "وہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدلے"۔

کراچی کے بارے میں جتنی تشویش ہے بجا ہے 'لیکن ہمیں اصل تشویش اس پر ہے کہ ملک --- کئی پہلوؤں سے 'مگر خاص طور پر کراچی کے معاملے میں --- ایک بند گلی میں کھڑا ہوا ہے۔ جن کے پاس کنجیاں ہیں کہ دروازے کھولیں 'روشنی آنے دیں 'اور نکلنے کے راستے بنائیں 'وہ مزید تالے چڑھاتے چلے جارہے ہیں۔ عمداً یا خطاءً 'یہ ایک الگ بحث ہے۔

ایک نظریہ یہ ہے کہ دونوں فریق جان بوجھ کر مسئلے کو حل کرنے کے بجائے اس کو بگاڑ رہے ہیں 'اس لیے کہ دونوں غدار اور دشمن کے ایجنٹ ہیں 'اور ۱۹۷۱ کی طرح اسے دولخت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ایک گروہ یہ فرد جرم صرف پیپلز پارٹی پر عائد کرتا ہے 'اور 'ایم کیو ایم کے ماضی کے کردار کے لیے عذر تلاش کر کے 'اسے قومی دھارے میں شامل کرنے کے لیے اپوزیشن کی گرینڈ الائنس میں شامل کرنے کا حامی ہے۔ دوسرا گروہ سارا جرم ایم کیو ایم کا گردانتا ہے۔

پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم کا ماضی کا کردار یقیناً داغ دار ہے 'لیکن اس معاملے میں ہم دینی لحاظ سے 'اور قومی سیاسی اخلاق کے لحاظ سے بھی 'اسی اصول پر کاربند رہنا صحیح سمجھتے ہیں جو سید مودودی کا اصول تھا۔ جب لیاقت علی خاں مرحوم نے سہروردی صاحب کو غدار کہا تو سب سے پہلے انھی کی صدائے احتجاج بلند ہوئی کہ غداری سب سے بڑا اور گھناؤنا جرم ہے 'اور بغیر ثبوت کسی کو کسی پر الزام نہیں لگانا چاہیے۔ بدقسمتی سے آج بھی یہ جرم بغیر ثابت کیے ہی لگایا جارہا ہے۔

اگر اس الزام میں حقیقت ہو 'تب بھی ہمیں ان دونوں کے اعلانات کو قبول کرتے ہوئے 'انھیں ملک کا وفادار سمجھتے ہوئے ہی آگے بڑھنا ہو گا۔ اس لیے کہ جو پارٹی عوام کے دلوں میں گھر کیے ہوئے ہو اور ان کی منتخب کردہ ہو 'اس پر صرف غداری کا الزام لگاکر اسے قومی زندگی سے باہر نہیں کیا جاسکتا۔ ایسی صورت میں 'ہمیں اس وقت کا انتظار کرنا ہو گا جب عوام بھی ان کی حقیقت پہچان لیں 'پھر یا تو وہ انھیں کچھ کرنے پر مجبور کریں 'یا انھیں اٹھا کر پھینک دیں۔ ورنہ 'اگر یہ الزام صحیح ہو کہ پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم دونوں جان بوجھ کر ملک توڑنے پر تلی ہوئی ہیں 'تو ملک پر فاتحہ پڑھنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں۔

ہمارے نزدیک بند گلی سے باہر نکلنا اسی وقت ممکن ہے جب ملک کی ہر قوت چار باتوں کو تسلیم کرے 'جو ہر ایک کے نزدیک مسلمہ ہیں 'اور جن سے اختلاف کی کوئی گنجایش نہیں۔

ایک بات یہ کہ موجودہ حالات میں کراچی کا مسئلہ پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم دونوں ہی مل کر حل کر سکتے ہیں 'ان دونوں کے بغیر حل کی کوئی صورت ممکن نہیں۔ اس حقیقت کو ان دونوں پارٹیوں کو بھی

تسلیم کرنا چاہیے، اور ملک کی دوسری قوتوں کو بھی۔ یہ تسلیم کرنے کے معنی یہ نہیں کہ ان پارٹیوں کے ماضی یا مستقبل کو جواز کا سرٹیفکیٹ دیا جارہا ہے۔ بلکہ یہ اس لیے ضروری ہے کہ صرف یہ دونوں ہی سندھ کے لوگوں کی بہت بھاری اکثریت کے درمیان مقبول و محبوب ہیں، انھی کو ان کا اعتماد حاصل ہے، یہی ان کی واحد نمایندہ ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ دونوں کا دائرہ اثر بالکل الگ الگ ہے: پیپلز پارٹی کا دائرہ اثر قدیم سندھیوں اور دیہی علاقوں پر مشتمل ہے، جبکہ ایم کیو ایم کا مہاجرین اور شہروں پر، جن میں سب سے بڑا شہر کراچی ہے۔ دائرہ اثر کی یہی واضح تقسیم مسئلے کی جڑ ہے، اور ایک دوسرے کو تسلیم کرنے کی متقاضی بھی۔

دوسری بات یہ کہ یہ مسئلہ اسی وقت حل ہو سکتا ہے جب پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم ایک دوسرے کو برداشت کریں، باہمی رواداری برتیں، آپس میں مفاہمت کریں، اور دونوں مل کر سندھ پر حکومت کریں۔ جس طرح آج پیپلز پارٹی نے ایم کیو ایم کو ہر سطح پر حکومت سے باہر کر رکھا ہے، اور اسے دہشت گرد اور ملک دشمن قرار دے کر اس کے خلاف محاذ آرائی کر رہی ہے، یا جس طرح جنرل ضیاء الحق اور جام صادق نے پیپلز پارٹی کو حکومت سے باہر رکھا اور اس کے خلاف محاذ آرا رہے، اس کا انجام کم سے کم سندھ میں مسلسل عدم استحکام اور بدامنی کے علاوہ نہ کچھ ہوا ہے، نہ ہو گا۔

دونوں کے حلقہ اثر کے بالکل الگ الگ ہونے، اور اپنے حلقے کا واحد نمایندہ ہونے ہی کی وجہ سے مفاہمت اور مشترک حکومت کے علاوہ امن و آشتی کی اور کوئی صورت نہیں۔ بلکہ یہ نہ ہو تو الگ ہونے کا خطرہ بھی سنگین ہو جاتا ہے۔ ہمارے سامنے دو نظائر ہیں۔ ۱۹۴۶ میں برصغیر میں، اور ۱۹۷۱ کے پاکستان میں بھی یہی صورت حال تھی۔ پبلک اور مینڈیٹ، دو مختلف پارٹیوں کے درمیان منقسم تھے، دونوں کی مفاہمت اور مشترک حکومت ممکن نہ تھی، جو نتیجہ نکلا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اکثر لوگ کراچی کی صورت حال کو ۱۹۷۱ کے پاکستان سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ہمارے خیال میں دونوں میں بہت فرق ہے، اور ۱۹۷۱ کی طرح الگ ہو جانا فی الحال قرین قیاس نہیں۔ لیکن مفاہمت اور مشترک حکومت نہ ہوئی، تو کیونکہ اب علیحدگی دشوار ہے، اس لیے مسلسل عدم استحکام اور خون ریزی جاری رہے گی۔ اگر کراچی سندھ سے الگ ہوا بھی، تو بھی خون ریزی سے مفر نہیں، شاید تقریباً ۱۹۴۷ اور ۱۹۷۱ کی طرح۔ ویسے علیحدہ صوبہ کا حل تو ایوب خاں اور یحییٰ خاں عرصہ ہوئے اپنی حماقتوں سے دفن کر چکے، اب اس کو زندہ کرنے کی گراں قیمت ملک ادا نہیں کر سکتا۔

اس سلسلے میں یہ تسلیم کرنا بھی سب کے لیے ضروری ہے کہ جس گروہ کو عوامی مقبولیت حاصل ہو، اسے ختم کرنے کے دو ہی راستے ممکن ہیں: تشدد اور اسلحے کے ذریعے، یا رائے عامہ کے ذریعے۔

تشدد مشکل سے کامیاب ہوتا ہے' پاکستان کی اسلامی جمہوری ریاست میں صرف دوسرا ہی راستہ ممکن ہے' اور یہی ملک کے مفاد میں ہے۔ پیپلز پارٹی کو جاننا چاہیے کہ وہ ایم کیو ایم کو' (یا نواز مسلم لیگ اور بنیاد پرستوں کو)' تشدد کے ذریعے' یا اس کو حکومت اور سیاست سے باہر رکھ کر' لوگوں کے دلوں اور سیاسی نقشے سے کھرچ کر ختم نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس کی اور فوج کی روش سے اس کا نقش روز بروز گہرا ہو رہا ہے۔ اسی طرح ایم کیو ایم بھی' اپنی محاذ آرائی سے پیپلز پارٹی کو ختم نہیں کر سکتی۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم اور جام صادق کی کوششوں کا انجام اس حقیقت پر دلیل ہے۔

اسی طرح اگر کوئی تیسری قوت چاہتی ہو کہ' موجودہ سیاسی منظر میں' ایم کیو ایم کے ذریعے پیپلز پارٹی کی حیثیت ختم کر دے' (جیسے نواز مسلم لیگ)' یا پیپلز پارٹی کے ذریعے ایم کیو ایم کو ختم کر دے' (جیسے فوج)' تو یہ ناممکن بھی ہو گا اور خطرناک بھی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کو ختم کرنے کے لیے کراچی کو میدان جنگ بنانے کی قیمت بہت گراں ہو گی' اس مقصد کے لیے کوئی دوسرا میدان جنگ منتخب کرنا چاہیے۔ ہمارے نزدیک تو بے نظیر حکومت کے خلاف عدم اعتماد کے لیے ایم کیو ایم کو پیپلز پارٹی سے الگ کرنے کا اقدام بھی غیر دانش مندانہ تھا۔ اسی طرح ایم کیو ایم کو سیاسی طور پر ختم کرنے کی بھی بھاری قیمت ادا کی جا چکی ہے' اب مزید کی گنجایش نہیں ہے۔

جب فی الحال دونوں پارٹیوں کو منظر پر رہنا ہے' تو ان کو بھی' اور دوسری سیاسی قوتوں کو بھی اس بات کی کوشش کرنا چاہیے کہ اس وقت ان دونوں کی مشترک حکومت قائم ہو۔ اگرچہ یہ اہتمام بھی ضروری ہے کہ دونوں کے اشتراک سے پیپلز پارٹی کو حزب اختلاف کو مزید کچلنے کا لائسنس نہ ملے۔ جو لوگ ایم کیو ایم کو اس کے ماضی کے کردار کے باوجود' قومی دھارے میں لانا چاہتے ہیں' وہ بے شک پیپلز پارٹی کو اقتدار سے باہر کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں' مگر کسی بھی سیاسی قوت کو قومی دھارے سے باہر کرنے کا نہ سوچیں۔

تیسری بات یہ کہ مفاہمت کا عمل صرف پرامن بات چیت سے پروان چڑھ سکتا ہے' تشدد' ظلم و تعدی' ضد اور ہٹ دھرمی' اور دھمکیوں سے نہیں۔ ایم کیو ایم جب ہتھیار استعمال کرنے اور دہشت گردی کرنے ہی سے انکاری ہے تو وہ یہ شرط کیسے تسلیم کر سکتی ہے کہ بات چیت سے پہلے ہتھیار رکھ دے اور دہشت گردی ترک کر دے۔ یہ شرط تسلیم کرنا تو اقبال جرم کے مترادف ہو گا۔ پھر حکومت آج تک کسی دہشت گردی اور قتل میں ایم کیو ایم کا ہاتھ ثابت کرنے میں کامیاب بھی نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے ایسی پیشگی شرط دراصل مذاکرات نہ کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح ایک بااختیار ٹیم مقرر کرنے کا مطالبہ بھی بے معنی ہے۔ کسی پارٹی میں بھی واحد لیڈر کے سوا کوئی بھی مکمل طور پر بااختیار نہیں

ہو سکتا۔ معنی خیز بات چیت تو الطاف حسین صاحب ہی کر سکتے ہیں' مگر وہ دریں حالات پاکستان میں داخل ہونے کی حماقت نہیں کر سکتے۔ اس لیے' اگر بات چیت ضروری ہے تو' یہ حکومت ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان سے بات چیت کا کوئی طریقہ نکالے۔

ہم ایم کیو ایم کے اس مطالبے کو صحیح نہیں سمجھتے کہ بات چیت سے پہلے' یا اس کے نتیجے میں' اس کے کارکنوں کے خلاف سارے مقدمات واپس لے لیے جائیں۔ ملزمین کو اس طرح کوئی بھی حکومت نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن حکومت جس پیمانے پر اپنے مخالفین کے خلاف مقدمات بنا رہی ہے' اور ان کو سیاسی انتقام کا نشانہ بنا رہی ہے' اور جس طرح اس نے عدالتی نظام کی غیر جانب داری کو مجروح کر دیا ہے' اس کو دیکھتے ہوئے' اس کے بظاہر مبنی برحق اس مطالبے میں کوئی جان نہیں کہ آؤ اور مقدمات کا سامنا کرو۔ یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے اقدامات کرے جن سے مقدمات کی تفتیش' عدالتی کارروائی اور فیصلوں کے بارے میں عدل و انصاف یقینی ہو' اور یقینی نظر آئے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ملزم' جب تک جرم ثابت نہ ہو' مجرم نہیں بے گناہ ہیں۔ اور بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ حکومتوں نے دہشت گردی کرنے والوں سے نہ صرف بات چیت کی ہے' بلکہ ان کو معافی بھی دی ہے۔

چوتھی بات یہ کہ کوئی بات چیت اور مفاہمت اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتی جب تک دونوں طرف سے فراخ دلی' خیرسگالی' کسر و انکسار اور کچھ دو کچھ لو کی روش اختیار نہ کی جائے۔ اگر ہر ایک کو اپنے ہی مقام پر ڈٹے رہنا ہے تو مذاکرات کی میز پر بیٹھنا لاحاصل ہے۔

بدقسمتی سے ان چاروں مسلم امور کا احساس مفقود نظر آتا ہے۔ پیپلز پارٹی کی طرف سے مسلسل غیر ثابت شدہ الزامات' دہشت گرد اور ملک دشمن کی گالیاں ہیں' "بغاوت" کے خلاف گرینڈ آپریشن اور مکمل استیصال کی دھمکیاں ہیں۔ دوسری طرف ایم کیو ایم کی جانب سے الٹی میٹم ہیں' مطالبات کے مانے جانے پر اصرار ہے' کراچی میں قتل و غارت گری کی وہ کارروائیاں ہیں جن کے بارے میں' واضح ثبوت نہ ہونے کے باوجود' لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کا دامن ان سے پاک نہیں۔

اگر دونوں نے' اور ملک کی دیگر سیاسی قوتوں نے' ان حقیقتوں کو تسلیم کر کے اپنا کردار ادا نہیں کیا' تو انھیں جاننا چاہیے کہ کراچی میں مسلسل خون بہتا رہے گا' اور ملک مسلسل سیاسی عدم استحکام اور معاشی بدحالی کا شکار رہے گا۔ یہ سلسلہ بہت طویل بھی ہو سکتا ہے۔ ہمیں کسی بیرونی طاقت سے فی الحال یہ خطرہ نہیں ہے کہ کراچی کو ایک ہانگ کانگ بنا دے ـــــ اس کے لیے نہ امکانات ہیں نہ حالات ـــــ لیکن یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ وہ لمبے عرصے کے لیے ایک بیروت بنا رہے' تاکہ پاکستان عدم استحکام کا شکار رہے اور اس کی واحد بندرگاہ بدامنی اور خون ریزی میں مبتلا' اور اس طرح ان کے دباؤ میں رہے اور ان کی

مرضی کا تابع ـ کراچی کی جو صورت حال ہے اس کے ہوتے ہوئے 'کون سی حکومت کسی بیرونی طاقت کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتی ہے ـ

دونوں پارٹیوں کی مشترک حکومت 'کراچی کی بگڑتی ہوئی صورت حال کا واحد فوری اور ممکن حل ضرور ہے 'لیکن حقیقی حل نہیں ـ اس لیے کہ اگر پیپلز پارٹی اور ایم کیو ایم 'اپنے کردار اور نظریات میں تبدیلی نہ لائیں 'کو اس کا قوی امکان ہے کہ یہ اپنے مخالفین کو کچلنے 'ایک غیر جمہوری اور غیر اسلامی معاشرے کو فروغ دینے 'اور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو کمزور کرنے کا باعث بنیں گی ـ لیکن اس کا علاج نہ جمہوری عمل کو زبردستی روکنا ہے 'نہ فوج کی مداخلت ہے ـ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ پاکستان کو اسلامی اور جمہوری بنانے کے لیے اخلاص کے ساتھ کوشاں قوتیں 'رائے عامہ کو اپنے ساتھ لیں 'پایدار اور واضح بنیادوں پر اشتراک عمل کی راہ تلاش کریں 'اور آیندہ انتخابات کے جلد اور منصفانہ ہونے کو یقینی بنائیں ـ

ملی یک جہتی کونسل کی صورت میں دینی راہ نماؤں کے اتحاد نے یہ بھی ثابت کر دیا ہے 'جیسا ہم نے کراچی کے لیے تجویز کیا ہے 'کہ جن لوگوں کے پاس مسئلے کو حل کرنے کا اختیار ہے وہ سنجیدگی سے کوشش کریں تو ہر مسئلہ حل ہو سکتا ہے ـ اس معاملے میں جن ملاؤں کو "فی سبیل اللہ فساد" کے لیے زور شور سے بدنام کیا گیا ہے 'مغربی ملاؤں سے بازی لے گئے ہیں ـ

مذہب کے نام پر فساد اور خون ریزی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے 'لیکن ہمارا ہمیشہ خیال یہ رہا ہے کہ حکومت اور میڈیا نے گذشتہ دنوں میں ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات کو 'صرف اسلام اور علما کے خلاف عام لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کے لیے وسیع پیمانے اور زور و شور سے اچھالا ـ ورنہ صرف کراچی کی صورت حال یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ سیاسی اور لسانی خون ریزی کے مقابلے میں مذہب کے نام پر خون ریزی کچھ بھی نہیں ـ لیکن اس داغ کو بھی 'ملک کی تمام قابل ذکر دینی جماعتوں پر مشتمل ملی یک جہتی کونسل نے اپنے اقدامات سے دھو دیا ہے ـ فرقہ وارانہ امن و آشتی قائم کرنے میں کونسل نے جو شاندار کامیابی حاصل کی ہے اس پر اللہ کا جتنا شکر ادا کیا جائے 'کم ہے ـ اس اتحاد میں شیعہ اور سنی 'دیوبندی اور بریلوی 'سپاہ صحابہ اور تحریک فقہ جعفریہ اور سپاہ محمد سب شامل ہیں ـ اس کونسل کے قیام کے بعد پورا عرصہ امن چین سے گزرا ہے 'اور محرم کا پہلا عشرہ بھی سلامتی کے ساتھ گزر گیا ـ

یہ اتحاد اتنا ہی مثالی اور تاریخی ہے جتنا اسلامی دستور کے ۲۲ نکات پر ۳۱ علما کا اجماع تھا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ملت کے دینی راہ نما پورے اخلاص کے ساتھ کام کریں، اس کونسل کو افتراق و انتشار سے پاک رکھیں، متحد رہیں، اور دینی مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوں۔ ہمیں امید ہے، جیسا کونسل کے راہ نماؤں نے اعلان کیا ہے، کہ وہ اس اتحاد کو ملکی سیاست میں ایک فریق نہ بنائیں گے، اور کسی پارٹی کو مسند اقتدار پر بٹھانے یا اس سے ہٹا لینے کو اپنا مقصد نہ قرار دیں گے۔ یہ اتحاد کے بقا کے لیے ناگزیر ہے۔

ملی یک جہتی کونسل نے اتفاق رائے سے ایک ضابطہ اخلاق بھی طے کیا ہے۔ ضابطہ انتہائی اہم اور دور رس نکات پر مشتمل ہے۔ اور فرقہ وارانہ یک جہتی کے لیے ایک مستقل اور مستحکم بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس ضابطے کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

- اختلافات اور بگاڑ کو دور کرنے کے لیے ناگزیر ہے کہ تمام مکاتب فکر، نظم مملکت اور نفاذ شریعت کے لیے ایک بنیاد پر متفق ہوں، اور یہ بنیاد ۳۱ سرکردہ علما کے ۲۲ نکات ہیں۔
- مذہب کے نام پر دہشت گردی اور قتل و غارت گری اسلام کے خلاف ہے، اس کی پر زور مذمت اور اس سے اظہار برات کریں گے۔ اسی طرح کسی بھی اسلامی فرقے کو کافر اور اس کے افراد کو واجب القتل قرار دینے کو غیر اسلامی اور قابل نفرت فعل قرار دیتے ہیں۔
- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہمارے ایمان کی بنیاد ہے، اسی طرح، اہل بیت اطہار و امام مہدی کی، ازواج مطہرات، صحابہ کرام و خلفاے راشدین کی عظمت بھی ایمان کا جز ہے۔ ان کی تکفیر کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے، اور ان کی توہین و تنقیص حرام اور قابل مذمت و تعزیر جرم ہے۔
- ایسی ہر تقریر و تحریر سے گریز و اجتناب کیا جائے گا جو کسی بھی مکتبہ فکر کی دل آزاری اور اشتعال کا باعث بن سکتی ہے۔ اس ضمن میں خاص طور پر شرانگیز اور دل آزار کتابوں، پمفلٹوں اور تحریروں، اشتعال انگیز اور نفرت انگیز مواد پر مبنی کیسٹوں، دل آزار، نفرت آمیز اور اشتعال انگیز نعروں، اور دیواروں، ریل گاڑیوں، بسوں اور دیگر مقامات پر دل آزار نعرے اور عبارتیں لکھنے پر پابندی عائد ہوگی اور ان سے مکمل اجتناب و احتراز کیا جائے گا۔
- تمام مسالک کے اکابرین کا احترام کیا جائے گا، اور ان کے مقامات مقدسہ اور عبادت گاہوں کا احترام و تحفظ یقینی بنایا جائے گا۔ جلسوں، جلوسوں، مساجد اور عبادت گاہوں میں اسلحے خصوصاً غیر قانونی اسلحے کی نمائش نہیں کی جائے گی۔

○ عوامی اجتماعات اور جمعہ کے خطبات میں ایسی تقریریں کی جائیں گی جن سے مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا ہو اور ، عوامی سطح پر ایسے اجتماعات منعقد کیے جائیں گے جن سے تمام مکاتب فکر کے علما بیک وقت خطاب کر کے ملی یک جہتی کا عملی مظاہرہ کریں۔

○ مختلف مکاتب فکر کے متفقات اور مشترکہ عقائد و نکات کی تبلیغ اور نشرواشاعت کا اہتمام کیا جائے گا۔

○ باہمی تنازعات کو افہام و تفہیم اور تحمل و رواداری کی بنیاد پر طے کیا جائے گا۔

○ ضابطہ اخلاق کے عملی نفاذ کے لیے ایک اعلیٰ اختیاراتی بورڈ تشکیل دیا جائے گا جو اس ضابطے کی خلاف ورزی کی شکایات کا جائزہ لے کر اپنا فیصلہ صادر کرے گا اور خلاف ورزی کے مرتکب کے خلاف کارروائی کی سفارش کرے گا۔

۱۹۹۶-۱۹۹۵ کا بجٹ پیش کرنے کی بے جان رسم ادا ہو چکی ہے۔ بجٹ عام آدمی کے لیے کسی امید ، خوشی یا روشن مستقبل کا مژدہ نہیں لاتا۔ بلکہ یہ ٹیکسوں میں تھوڑی سی کمی اور ڈھیر سارے اضافے ، عام آدمی کی پیٹھ پر بوجھ میں بھی اسی تناسب سے کمی بیشی ، اور معمول کے اخراجات اور ترقیاتی منصوبوں کا نام بن کر رہ گیا ہے۔ ۱۹۴۷ سے نہ اس کے سانچے میں کوئی ظاہری یا بنیادی تبدیلی آئی ہے ، نہ اس کی روح میں۔ ناپنے اور تولنے کے سارے باٹ ، سوچنے اور فیصلہ کرنے کے سارے پیمانوں کی طرح ، ہم بالکل وہی استعمال کر رہے ہیں جو مغربی استعمار رخصت ہوتے وقت ہمارے ہاتھوں میں تھما گیا۔ جب ہم ، ۱۹۴۷ سے آج تک ، بائی دی لیفٹ کی جگہ بائی دی رائٹ سے اپنی فوجی مارچ شروع کرنے کا اہتمام نہ کر سکے ، تو کسی بھی اہم شعبے میں کوئی بنیادی اور روحی تبدیلی کیسے لاتے۔ اب بہرحال یہ بھی ضروری ہے کہ آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے نگراں ایک ایک ہندسے اور نکتے پر صاد کریں ، ممکن نہیں کہ کہیں انحراف ہو جائے۔ آقاؤں کے پیمانوں سے ہلکی سی جنبش کی گنجایش مشکل سے نکلتی ہے۔ وہی طے کرتے ہیں کہ خسارہ کتنا ہو ، ڈیوٹیاں کتنی لگائیں ، قرض کتنا لیں ، آٹے دال کا ، بجلی پانی کا بھاؤ کیا ہو۔

بال بال قرضوں میں بھی جکڑا جا چکا ہے۔ ہر پاکستانی ۱۲ ہزار روپے کا مقروض ہے۔ جتنی آمدنی ہوتی ہے وہ قرضے بمع سود ادا کرنے میں اور دفاعی اخراجات کے لیے بھی کافی نہیں۔ آمدنی ۲۵۹ ارب روپے متوقع ہے ، قرضوں کی ادائیگی میں ۱۵۷ ارب جائیں گے ، اور دفاع پر ۱۱۵ ارب لگیں گے ، یعنی کل ۲۷۲ ارب ، آمدنی سے ۱۳ ارب زیادہ۔ یہ ایسا ہے جیسے کسی کی آمدنی ۱۰۰ روپے ہو ، وہ ۶۰ مہاجن کے

ہاتھ پر رکھ دے اور ۵ء۴ چوکیدار کو دے دے 'اس کے بعد اپنی ساری ضروریات اور شوق قرض لے کر پورے کرے ۔چنانچہ اس سال ۱۱۰ روپے کے مزید قرضے لیے جائیں گے ۔

بڑے بڑے اعداد و شمار سے عام آدمی کو کچھ حاصل نہیں ۔وہ تو یہ جانتا ہے کہ گرانی کا روز بروز بڑھنے والا بوجھ اس کی کمر توڑے دے رہا ہے ۔محترمہ وزیر اعظم نے معیشت کی شاندار کارکردگی پر بڑی خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا ہے ۔کیا یہ خوشی اس بات کی ہے کہ ملک کے کارخانے اتنی بڑی تعداد میں بند ہیں (ایک اندازہ ۳ تا ۵ ہزار کا ہے) کہ اس سال واپڈا کو لوڈشیڈنگ کی ضرورت نہیں پڑی ۔یا اس بات پر کہ گرانی میں اضافہ کی شرح' جسے ۷ فی صد تک نیچے لانے کا وعدہ تھا' وہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۴ فی صد' اور صحیح غیر سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۲۰ فی صد سے اوپر ہے ۔اس کمر توڑ بوجھ کا بار ہلکا کرنے کے لیے جو "زبردست" قدم اٹھایا گیا ہے وہ صرف مرکزی ملازمین کی تنخواہوں میں ۷ فی صد اضافہ ہے ۔کوئی پوچھے کہ باقی ۱۳ فی صد اضافے کا بوجھ ایک عام آدمی کیسے اٹھائے گا؟ اور اس ۷ فی صد اضافے کی حقیقت کیا ہے؟ گریڈ ۵ کے ایک ملازم کو ۲۵۲۳ کے مقابلے میں ۲۶.۶ روپے ملنے لگیں گے (۸۳ روپے کا شاندار اضافہ!)۔اس کا بھی فوراً ازالہ کر دیا گیا ہے ۔پٹرول کی قیمت ۵ فی صد بڑھا دی گئی ہے 'جس سے حکومت کو ۵ ارب کی آمدنی متوقع ہے ۔اس کے علاوہ' بجلی' پانی 'گیس 'کرائے بڑھانے کے لامحدود اختیار کارپوریشنوں کو دے دیے گئے ہیں ۔چنانچہ سال بھر منی بجٹ آتے رہیں گے ۔ایک اندازے کے مطابق زندگی گزارنے کے اخراجات میں اس سال ۳۰ فی صد کا اضافہ ہو گا۔

باقی اگر ہم بجٹ میں ایسے اقدامات تلاش کرنا چاہیں جن سے خسارہ اور قرض کم ہوں 'گرانی کا بوجھ ہٹے ' بے روزگاری میں کمی ہو ' غربت کا ازالہ ہو 'صحت کی سہولتیں فراہم ہوں ' پینے کا صاف پانی ملے ' تعلیم عام ہو 'تو یہ تلاش بے سود ہے ۔ان اہداف سے سابق سوشلسٹ پیپلز پارٹی کے بجٹ کو کوئی سروکار نہیں ۔اور اگر کسی کو یہ توقع ہو کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ۴ کھرب سے زیادہ کے بجٹ میں ایک پائی بھی لوگوں کی اخلاقی ترقی کے لیے رکھی گئی ہو 'تو اسے سخت مایوسی ہو گی ۔

یہ بجٹ ہمارے معاشی افلاس ہی نہیں ' ذہنی اور اخلاقی افلاس کا بھی آئینہ ہے ۔